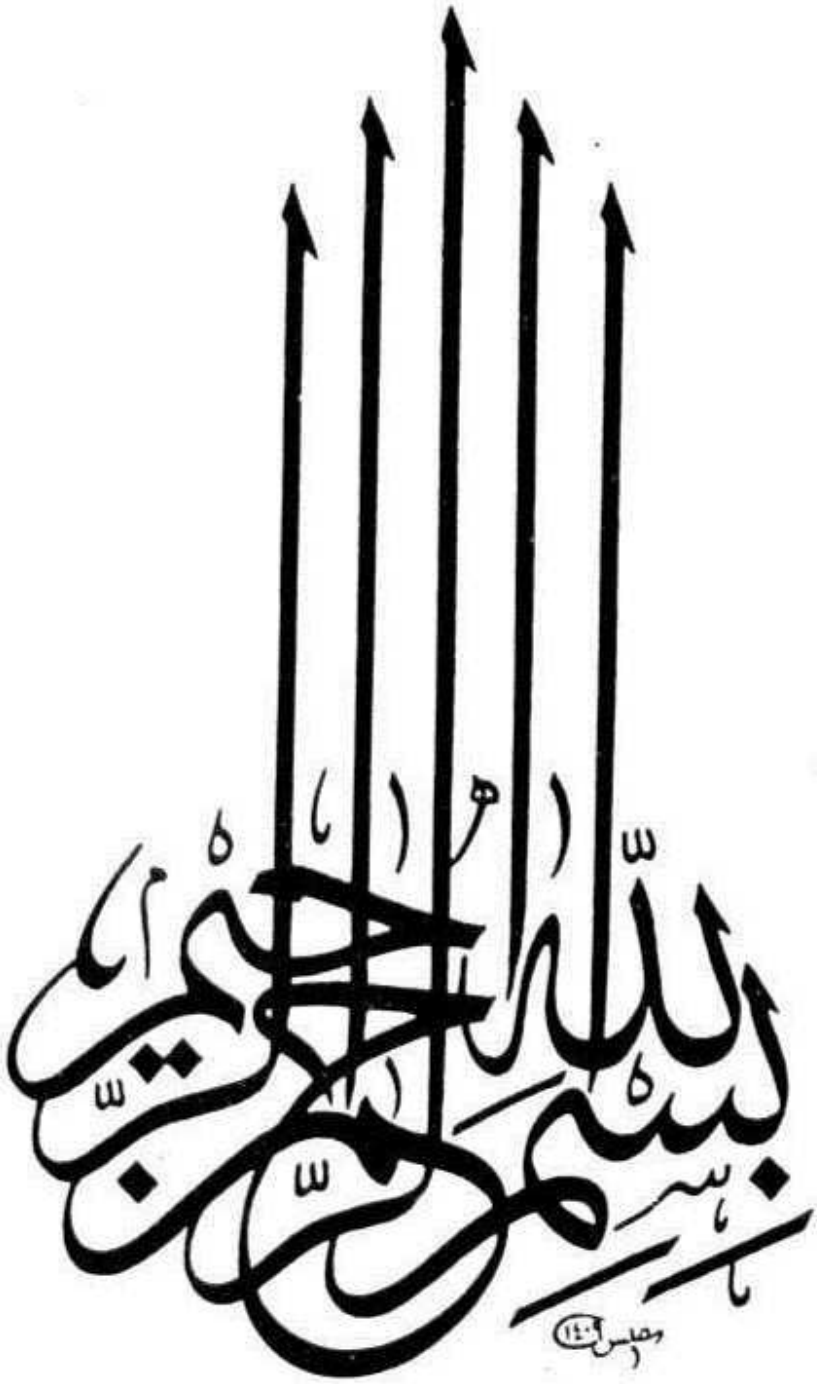
بسم الله الرحمن الرحيم

اسلام اور مغربی معاشرہ

اَلْحَمْدُلِلّٰہِ وَ کَفٰی وَ سَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی اَمَّا بَعْدُ ! فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ oبِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِo اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَاللّٰہِ الْاِسْلَامَ o وَقَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی فِیْ مَقَامٍ اٰخَرَ . اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَ رَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا o سُبْحَانَ رَبِّکَ رَبِّ الْعِزَّتِ عَمَّا یَصِفُوْنَo وَ سَلَامٌ عَلَی الْمُرْسَلِیْنَo وَالْحَمْدُلِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ.

امریکہ کا سفر:

فقیر نے امریکہ کی کل 22 ریاستوں میں سفر کیا۔ ایسا بھی ہوا کہ صبح کا پروگرام ایک ریاست میں ہوا، ظہر کا پروگرام دوسری ریاست میں ہوا اور رات کا پروگرام تیسری ریاستمیں ہوا۔ یہاں فیصل آباد کی جماعت کے دوستوں نے مطالبہ کیا کہ وہاں کے مشاہدات وتاثرات ہمیں بھی بتائیں تا کہ تبادلہء خیالات ہو سکے۔ تو فقیر نے کہہ دیا تھا کہ انشاء اللہ کسی ایک محفل میں وہاں کی کچھ تفصیلات عرض کردی جائیں گی۔ چنانچہ ان دوستوں نے اس عنوان کیلئے اس مسجد کا انتخاب کیا۔ لہٰذا آج مغربی معاشرہ کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالی جائے گی۔

جدید ٹیکنالوجی

جدید ٹیکنالوجی اس وقت دنیا میں راج کر رہی ہے۔ دنیا کی سپر پاور بنی ہوئی ہے۔ بلکہ اب تو انہوں نے اپنے آپ کو سپریم پاور کہنا شروع کر دیا ہے۔

مٹی سونے کے بھاؤ:

مغرب اب اتنی ٹیکنالوجی حاصل کر چکا ہے کہ وہ اپنی مٹی کو آج سونے کے بھاؤ بیچ رہا ہے۔ ریت کو انگریزی میں سلیکان کہتے ہیں۔ اس سلیکان سے الیکٹرونک کے پرزے، انٹیگریٹڈ سرکٹ اور مائیکرو پراسیسرز بنتے ہیں جو وزن کے حساب سے سونے سے بھی زیادہ قیمتی ہوتے ہیں۔

چاند پر بیٹھی مکھی کی آنکھ کا فوٹو:

مغرب کا دعویٰ ہے کہ ہم زمین پر بیٹھ کر چاند پر بیٹھی ہوئی مکھی کی آنکھ کا فوٹو بھی اتار سکتے ہیں۔ یہ بات واقعی ٹھیک ہے کیونکہ اس عاجز نے وہاں کے عجائب گھروں کو دیکھا ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ ان کو آج ٹیکنالوجی میں یہ پوزیشن حاصل ہو چکی ہے کہ یہ کام ان کے لئے آسان ہو چکا ہے۔ چاند جو اپنے مدار میں چلتا ہے اس کی پوزیشن تبدیل ہونے کے لئے مساواتیں ہیں جو چاند کی مداروی حرکت کو ظاہر کرتی ہیں۔ اس کے چھ ہزار فیکٹر بدلتے رہتے ہیں۔ مگر اس کے باوجود چاند کے مدار کے ہر انچ کو ماپا جا رہا ہے۔

روس امریکہ امن معاہدے کا اظہار:

روس اور امریکہ کے درمیان ایک امن معاہدہ ہوا۔ دونوں نے یہ فیصلہ کیا کہ اس معاہدہ کو منایا جائے۔ اس مقصد کے لئے روس نے ایک خلائی گاڑی اڑائی اور ایک امریکہ نے۔ خلا میں جا کر دونوں آمنے سامنے آ کر آپس میں اکٹھی جڑ گئیں۔ روسی مشین بند ہو گئی اور امریکی مشین نے اسے چلانا شروع کر دیا۔ اس نے اس کو چلا کر امریکہ میں لا کر اتارا۔

پھر دوبارہ ایک ایک گاڑی اڑائی گئی۔ پھر وہ بھی اکٹھی ہو گئیں۔ اب کی بار

امریکن مشین بند ہوگئی اور روسی مشین نے اسے چلاتے ہوئے روس کے اندر جا کر اتارا۔ فقیر نے ان دونوں مشینوں کو جڑا ہوا پڑے دیکھا۔ فقیر حیران تھا کہ ہم لوگوں کو موٹر کی شافٹ پر پلی چڑھانی پڑے تو ہتھوڑوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ کتنی مہارت درکار ہوگی کہ خلاء کے اندر ایک مشین تیر رہی ہے، اس کو آدمی نیچے بیٹھا کنٹرول کر رہا ہے اور وہ مشین ٹھیک ایک دوسرے کے سامنے آ کر جڑ جاتی ہے۔ پھر ان میں سے ایک بند ہو جاتی ہے تو دوسری کا مرکز ثقل تبدیل ہو جاتا ہے مگر وہ اس کو متوازن کرتی ہے اور نئی صورتحال میں اس کو کنٹرول کرتے ہوئے واپس لا کر اپنے ملک میں بحفاظت اتار دیتی ہے۔ انجینئرنگ کا پس منظر رکھنے والے حضرات سمجھ رہے ہوں گے کہ یہ کتنی مہارت کا کام ہے۔

برکلے یونیورسٹی میں کمپیوٹرز کی تعداد:

الیکٹرونکس کی دنیا میں تو ایک تہلکہ مچا ہوا ہے۔ ہر آنے والا دن نئی نئی دریافتیں لے کر آ رہا ہے۔ اور یہ ساری تبدیلیاں ساٹھ کی دہائی کے بعد ہوئی ہیں۔ 1960 میں برکلے یونیورسٹی کیلیفورنیا میں ایک بڑا کمپیوٹر تھا جبکہ ستر کی دہائی میں اس یونیورسٹی میں ستر ہزار P-C Terminals تھے۔ اب آپ سوچئے کہ جب اتنے لوگ دن رات بیٹھے سکرین پر کام کر رہے ہوں اور انسان اپنے دماغ کو استعمال کر رہے ہوں گے تو پھر مادے کے حقائق کیوں نہیں کھلیں گے۔

جینیٹکس انجینئرنگ کی نئی دریافتیں:

جینیٹکس انجینئرنگ کے اندر اس وقت ایسی ایسی چیزیں سامنے آ رہی ہیں کہ انسان کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ جاتی ہیں۔ سویڈن کے اندر ایک درخت اگایا گیا جس کی تین مختلف شاخوں پر تین مختلف پھل لگے ہوئے تھے۔ یہ کتنی

حیرت انگیز بات ہے۔

دراصل جب بھی کوئی چیز پرورش پاتی ہے اس کے خلیے کا ایک DNA ڈی این اے ضابطہ ہوا کرتا ہے۔ DNA کے اندر RCGT ڈنڈوں سے بنی ہوئی سیڑھی ہوتی ہے۔ جس میں اس کی نشو ونما کے مخصوص پیغامات موجود ہوتے ہیں۔ مثال کے طور پر آدمی ہی کو لیجئے۔ سب کی دو آنکھیں ہوتی ہیں، کسی کی تین یا چار آنکھیں نہیں ہوتیں۔ سب کے ناک اور کان ایک ہی جگہ پر ہوتے ہیں کسی اور جگہوں پر نہیں ہوتے۔ سب کے چہروں کا رخ سامنے کی جانب ہوتا ہے۔ ہر چیز جو اپنی اپنی جگہ پر اپنی اپنی شکل میں پیدا ہو رہی ہے اس کو وہی ضابطہ پیچھے سے کنٹرول کر رہا ہوتا ہے۔ اس کوڈ کو آج انسان نے سمجھنا شروع کر دیا ہے۔ یہ جینیٹکس انجینئرنگ آنے والے وقت میں بڑی عجیب تبدیلیاں سامنے لائے گی۔

تسخیر کائنات کی طرف اشارہ:

اللہ رب العزت نے چودہ سال پہلے فرمادیا تھا کہ وَ سَخَّرَ لَكُمْ اور ہم نے تمہارے لئے مسخر کر دیا ہے مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الْاَرْضِ جو کچھ آسمان اور زمین کے درمیان میں ہے۔ اس فرمان کے مصداق انسان کے اندر تسخیر کائنات کی طاقت موجود ہے۔ وہ اللہ کا نائب، اللہ کا خلیفہ اور اللہ رب العزت کی صفات کا مظہر اتم ہے۔ وہ اپنی صلاحیتوں کو استعمال کرے گا تو ان چیزوں کا سمجھنا اس کے لئے مشکل نہ رہے گا۔

پیٹ کھولے بغیر آپریشن:

میڈیکل کی لائن میں آج نت نئی ریسرچ سامنے آرہی ہے۔ ایک دلچسپ اضافہ آپریشن کی نئی ٹیکنالوجی ہے۔ السرز وغیرہ کے لئے آج کسی انسان کے پیٹ کو کھولنا نہیں پڑتا۔ بلکہ ایک طرف سے انجکشن کی سوئی کے برابر تار اندر ڈالتے ہیں

جس میں ایک کیمرہ فٹ ہوتا ہے اور دوسری طرف ایک سوراخ کر کے اس میں اپنے آلات ڈال کر ٹی وی سکرین کے اوپر اندر کا فوٹو دیکھ رہے ہوتے ہیں۔ اس طرح پیٹ کے اندر ہی اپریشن کرتے ہیں، پیٹ کے اندر ہی اس کے ٹانکے لگاتے ہیں اور اس مریض کو اپریشن کے چند منٹ کے بعد گھر جانے کی اجازت دے دیتے ہیں۔ وہ آپریشن جو پہلے ۶ گھنٹے تک جاری رہتے تھے اور مہینوں ایک انسان بستر پر رہا کرتا تھا، خون کی کئی کئی بوتلیں دی جاتی تھیں، آج ان کا طریقہ کار اتنا بدل چکا ہے کہ آپریشن کے بعد وہ آدمی ہسپتال میں رہنے کی بجائے اپنے گھر میں چلا جاتا ہے۔

بغیر آپریشن پھیپھڑے سے گولی نکالنا:

سعودی عرب میں ایک نوجوان اپنے دوستوں کے ساتھ مل کر شکار کرنے کے لئے جنگل میں گیا۔ اس کے پاس ائرگن بھی تھی۔ اس نے بھولے سے ایک شرہ اپنے منہ میں ڈال لیا، وہ شرہ اس کے گلے کے راستے ہوا کی نالی میں چلا گیا۔ اور وہاں سے سیدھا پھیپھڑوں میں جا پہنچا۔ وہ شکار سے واپس آیا تو اس نے اپنے گھر میں سے کسی کو اس کے بارے میں نہ بتایا۔

کچھ دنوں کے بعد نوجوان کو کھانسی اور بخار ہو گیا۔ قریب کے ڈاکٹروں سے علاج کروایا گیا تو معلوم ہوا کہ اس کے پھیپھڑوں میں دھات کی بنی ہوئی کوئی چیز ہے۔ جس کی وجہ سے وہ ٹھیک نہیں ہو رہا تھا۔

ان کو بتایا گیا کہ جدہ میں ایک ڈاکٹر صاحب آپریشن کے بغیر یہ شرہ نکال دیں گے۔ چنانچہ وہ جدہ میں اس ڈاکٹر صاحب کے پاس چلے گئے۔ اس نے ایک باریک سی تار لی اور منہ کے راستے اس تار کو اس ڈاکٹر نے اندر داخل کر دیا۔ اس تار کے سرے پر بہت ہی چھوٹے سائز میں ایک کیمرہ لگا ہوا تھا۔ جو ساتھ پڑے ہوئے ایک

ٹی وی سیٹ میں پھیپھڑے کے اندر سے تصویر پیش کر رہا تھا۔

ڈاکٹر صاحب نے ناک کے ذریعے ایک اور تار اس کے پھیپھڑے میں داخل کی۔ ٹی وی پر اس کی تصویر آتی رہی۔ یہاں تک کہ وہ بھی اس شرہ کے قریب پہنچ گئی۔ اس دوسری تار کے ذریعے اس ڈاکٹر صاحب نے اندر سے شرہ کو نکال لیا۔ یوں آپریشن کے بغیر ہی اس کے پھیپھڑے سے شرہ نکال کر اسے اسی وقت گھر بھیج دیا گیا

یورپین لوگوں کا دعوٰی:

فقیر آپ کو مغربی معاشرے کا تعارف کروا رہا ہے تا کہ جو لوگ وہاں نہیں گئے ان کے ذہن میں یہ تصور بن جائے کہ فقیر کس سوسائٹی کی بات کر رہا ہے۔ وہاں پر نظام بہت ہی مضبوط اور ٹھوس بنا دیا گیا ہے۔ وہ دعوٰی کرتے ہیں کہ ہمارا ملک Country of freedom اور Country of Justice ہے۔ اور واقعی وہاں کے لوگوں کو اپنے قانون کے مطابق انصاف مہیا کرتے ہیں۔ اس لئے وہاں کے لوگ مطمئن ہوتے ہیں۔ لوگ دفتروں میں کام کرنے کی نیت سے جاتے ہیں اور کام کر کے واپس آتے ہیں۔

شہوت پرستی کا زور:

اگر آپ یورپ میں جا کر دیکھیں تو ان کی بے ایمانی اور ذاتی زندگی کی چند بڑی برائیوں کے علاوہ کچھ معاشرتی خرابی نظر نہیں آئے گی۔ وہ برائیاں کہ جن کا تعلق نفسانیت کے ساتھ ہے کہ انسان ہمیشہ شہوت پرست اور نفس پرست ثابت ہوا ہے۔ چونکہ نفس چاہتا ہے کہ مجھے اپنی خواہشات کے معاملہ میں مکمل اجازت ہو۔ لہٰذا عورت کی بے پردگی، اس کے ساتھ ناجائز تعلقات، موسیقی، شراب اور اس سے متعلقہ چند چیزیں جن کا محور عورت ہو، خرابیاں آپ کو وہاں عام نظر آئیں گی۔ کیونکہ ان کا

قانون ان کو اجازت دیتا ہے۔

مغربی معاشرے کی مثبت پہلو

اس کے علاوہ آپ اگر ان کی اجتماعی زندگی میں غور کریں تو حیران کن حد تک وہاں پر اسلامی اصول وضوابط نظر آئیں گے۔ مثلاً انصاف کے بارے میں حضرت علیؓ کا فرمان ہے کہ تم کفر کے ساتھ تو حکومت چلا سکتے ہو مگر ظلم کے ساتھ حکومت نہیں چلا سکتے۔ اور وہاں پر ہر بندے کو انصاف ہوتا نظر آتا ہے۔ جس مقدمے کی پیروی کرنے والا کوئی نہیں ہوتا اس کی پیروی حکومت کرتی ہے۔ ارے! یہ عدل وانصاف تو ہمیں خلفائے راشدین کے دور میں نظر آتا تھا۔

سویڈن کے وزیراعظم کا استعفیٰ:

آپ حیران ہوں گے کہ سویڈن کے وزیراعظم نے کہا کہ اب میری عمر زیادہ ہوگئی ہے، لہٰذا میں سمجھتا ہوں کہ میں اب قوم کی امیدوں پر پورا اترنے کے قابل نہیں رہا، میں اتنی محنت نہیں کر پا رہا جتنی کرنی چاہئے تھی لہٰذا میں آئندہ سال مستعفی ہو جاؤں گا۔ اب پوری قوم کہہ رہی ہے کہ آپ مستعفی نہ ہوں۔ وہ کہتا ہے کہ نہیں، میں سمجھتا ہوں کہ میں اپنے منصب کے ساتھ انصاف نہیں کر رہا۔ پورا سال لوگ اسے کہتے رہے کہ آپ مستعفی نہ ہوں مگر سال گزرنے کے بعد اس نے استعفیٰ دے دیا۔

اپوزیشن لیڈر کی نااہلی کا عجیب واقعہ:

جب اس نے استعفیٰ دے دیا تو نئے وزیراعظم کے چناؤ کا مسئلہ کھڑا ہو گیا۔ اپوزیشن لیڈر ایک عورت تھی۔ اس کو نامزد کیا گیا۔ کیونکہ وہ سب سے زیادہ ووٹ حاصل کرنے والی عورت تھی۔ اس کی زندگی کے تمام امور کو پرکھنے

کے لئے سکریننگ کی گئی تا کہ پتہ چلے کہ وہ اس منصب پر فائز ہونے کے قابل بھی ہے یا نہیں۔

سکریننگ کے دوران ایک بات سامنے آئی کہ اس عورت کو اپوزیشن لیڈر ہونے کی حیثیت سے ایک کریڈٹ کارڈ ملا ہوا تھا۔ وہ ایک مرتبہ اپنے بچے کو لے کر کسی سٹور پر گئی مگر اپنا ذاتی کریڈٹ کارڈ گھر بھول گئی۔ بچے نے ضد کی کہ مجھے کھلونا لے کر دیں۔ اس نے اسے 300 مارک کا کھلونا لے کر دیا۔ پاکستانی کرنسی کے مطابق تقریباً 2500 روپے بنتے ہیں۔ اور جیسے ہی وہ گھر آئی تو اس نے آتے ہی اپنے ذاتی اکاؤنٹ سے اتنے پیسے اس اکاؤنٹ میں منتقل کر دیئے۔ سٹور سے گھر آنے تک تقریباً دو گھنٹے لگے ہوں گے۔

یہ کئی سال پہلے کی بات تھی۔ گو اس نے پیسے ادا بھی کر دیئے تھے مگر سکریننگ کرنے والوں نے کہا کہ قوم کی اپوزیشن لیڈر تھی۔ اس کو اپنے منصب کی وجہ سے کارڈ ملا تھا، یہ تو سرکاری کام کے لئے تھا۔ اگر یہ 300 مارک کو اپنی ضروریات کے لئے استعمال کر سکتی ہے تو اسے اگر کل وزیر اعظم بنائیں گے تو یہ تو معلوم نہیں کہ کیا کچھ اپنی ذات کے لئے استعمال کرے گی۔ صرف اس وجہ سے اس کو نااہل قرار دے دیا گیا۔ حالانکہ جب وہ رقم واپس کر رہی تھی اس وقت اسے پتہ بھی نہیں تھا کہ کل کو میری یہ بات کسی کو معلوم ہوگی یا نہیں ہوگی۔

ارکان پارلیمنٹ کی معذرت:

جب اس کو نااہل قرار دے دیا گیا تو پھر کوئی آدمی اپنے آپ کو وزیر اعظم بننے کے لئے پیش کرنے کو تیار نہیں تھا۔ آپ حیران ہوں گے کہ آج کے دور میں یہ سویڈن دنیا کا واحد ملک ہے جہاں پر ایک سال تک پارلیمنٹ میں سے ہر ایک کو دعوت دیتے رہے کہ کوئی اپنے آپ کو وزیر اعظم بننے کے لئے پیش کرے مگر کوئی

بھی پیش نہیں کرتا تھا۔ ایک کہتا کہ آپ وزیر اعظم بن جائیں، دوسرا کہتا کہ میں تو اس قابل نہیں ہوں۔ میں نے جب یہ بات سنی تو مجھے اپنے بڑوں کا وقت یاد آ گیا کہ جب ان پر ذمہ داری رکھی جاتی تو وہ فرماتے تھے کہ میں تو اس بوجھ کو اٹھانے کے قابل نہیں ہوں۔

یورپ میں معاشرتی حقوق کا خیال:

وہاں جا کر آپ کو اسلام کے اصول وضوابط عملی شکل میں نظر آئیں گے۔ گو ان کو انہوں نے اسلام کا نام نہیں دیا ہوا مگر یہ حقیقت ہے کہ انہوں نے یہ چیزیں اسلام سے مستعار لی ہوئی ہیں۔ لہٰذا آپ اگر وہاں کسی آبادی میں جا کر رہیں تو پڑوسی کے جو حقوق ایک مسلمان معاشرے میں ہونے چاہئیں وہ حقوق آپ کو سو فیصد اس ماحول کے اندر ملیں گے۔ اس لئے یہاں سے جانے والے لوگوں کو وہ سوسائٹی بڑی اچھی لگتی ہے۔ حتیٰ کہ ہمارے بعض دوست وہاں فقیر سے یہ سوال پوچھنے لگے کہ قرآن پاک میں جس جنت کا تذکرہ کیا گیا ہے کہیں وہ اسی معاشرے کے بارے میں تو نہیں کہا گیا۔ فقیر نے جواب میں کہا کہ آپ لوگوں نے جنت کو کیا سمجھا ہوا ہے۔

مغربی معاشرے میں اگر چہ آپ کی کوئی سفارش نہیں ہے اور آپ نے کسی دفتر میں فون کرنا ہے یا خود جانا ہے تو ہر بندہ آپ سے پوچھے گا **Can I help you?** کیا میں آپ کی مدد کر سکتا ہوں۔ وہاں آپ کو فائل کو چلنے کے لئے پہیے نہیں لگانا پڑیں گے۔ بلکہ ہر کام اپنے ضابطے کے مطابق ہوگا۔

وہاں کے سرکاری اداروں میں لوگ اس طرح تندہی سے کام کرتے ہیں جس طرح لوگ پرائیویٹ اداروں میں کام کرتے ہیں۔ کوئی آدمی دفتر میں بیٹھ کر اپنے گھر کے معاملات کے لئے ٹیلیفون نہیں کرے گا۔ کوئی آدمی دفتر کے پتے پر اپنے گھر کی ڈاک نہیں منگوائے گا۔ کام کا مطلب کام ہی سمجھا جائے گا۔

اگر معاشرے میں لوگوں کو کسی چیز کی ضرورت ہوتی ہے تو یوں سمجھئے کہ حکومت بیت المال سے وہ چیز دے دیتی ہے۔ وہاں پر انسانی حقوق کی اتنی پاسداری ہے کہ آج کے مسلمان ممالک کے لوگ بھی اپنے ملکوں کو چھوڑ کر وہاں جا کر رہنا پسند کرتے ہیں۔

وہاں پر انصاف کے حصول کے لئے پنچائیت کا سسٹم رائج ہے۔ اس کا طریقہ کار یہ ہے کہ معاشرے میں سے تجربہ کار لوگوں کو چن کر ان کی جیوری بٹھا دی جاتی ہے اور کہا جاتا ہے کہ اس کے سامنے پیش ہو کر اپنے مقدمہ بیان کرو۔ وہاں پر جج کو اپنی یولیس رکھنے کا اختیار ہوتا ہے اور ہر مقدمے کا ایک بجٹ ہوتا ہے کہ اگر وہ چاہے تو اپنی مرضی کے آدمی رکھ کر خود اس مقدمے کی تحقیقات کروا سکتا ہے تا کہ انصاف والے کو انصاف ملے۔ تو وہاں پر یہ عجیب بات دیکھی کہ وہاں پر اسلام نظر آتا ہے مگر مسلمان بہت کم ہیں جبکہ یہاں پر مسلمان نظر آتے ہیں اور اسلام بہت کم ہے، جس کی وجہ سے وہاں لوگ مطمئن نظر آتے ہیں۔ وہ محنت کرتے ہیں اور ان کو ان کی محنت کا پھل ملتا ہے۔ اسی وجہ سے آج وہ دنیا میں رہبری کر رہے ہیں۔ آج پوری دنیا میں ان کا سکہ چل رہا ہے۔ اس کا سکہ آج پوری دنیا میں ریفرنس بنا ہوا ہے۔ ان کے سکے کے ریفرنس کی بناہ پر دنیا کے تمام ممالک اپنی کرنسی کو تولتے ہیں۔

اندرون و بیرون ملک میں سیاسی امتیاز:

بیرونی دنیا کے ساتھ وہ سیاست میں اپنی ناانصافی کو بھی انصاف کہتے پھریں تو یہ ان کی اپنی مرضی ہے۔ ان کے سیاستدانوں کا پوری دنیا میں اور اپنے ملک میں کیا رویہ ہوتا ہے۔ بہت فرق نظر آتا ہے۔ تاہم اپنے ملک کی حد تک انہوں نے لوگوں کو مطمئن رکھا ہوا ہے۔ جس کی وجہ سے لوگ کام بھی کرتے ہیں اور قریب رہتے ہوئے ایک دوسرے کا خیال بھی کرتے ہیں۔

تعلیمی اخراجات:

مغربی معاشرہ ایک پڑھا لکھا معاشرہ ہے ۔ وہاں پر 99.9% تعلیم ہے ۔ کیونکہ وہاں تعلیم کے شعبہ پر بہت زیادہ خرچ کیا جاتا ہے۔اس حدتک کہ ان کے لئے جو کنڈر گارٹن کے سکول بنے ہوئے ہیں وہ ہمارے ہاں کی یونیورسٹیوں سے بھی بعض معاملات میں زیادہ Advance (آگے) ہوتے ہیں ۔ بلکہ جدھر بھی چلے جائیں آپ کو یوں لگے گا کہ ملک کے ایک ایک انچ کو انہوں نے ترقی یافتہ بنایا ہوا ہے۔ آپ کو پورے ملک میں عدم توجہی کا شکار شاید ہی کوئی نظر آئے گا۔

روس کی ایک عجیب شکایت:

یہ ایجوکیشن کے وہ ادارے ہیں جہاں سے طلباء نکلتے ہیں تو پھر وہ ملک کے اندر کام کرتے ہیں ۔ روس نے آج سے آٹھ نو سال پہلے یہی تو شکایت کی تھی کہ میں امریکہ سے تو نمٹ لوں کہ یہ کیا ہے مگر اس کی یونیورسٹیوں اور کالجوں سے بڑا تنگ ہوں ۔ ہر دن میں وہاں پر ایک نئی ریسرچ ہو رہی ہے ۔ کیونکہ وہاں پر لاکھوں با صلاحیت لوگ بیٹھے تحقیق کر رہے ہوتے ہیں،ان سائنسی تحقیقات نے میری ناک میں دم کر رکھا ہے۔

بچوں کی تربیت:

وہ لوگ اپنی اولاد کی تربیت کا بہت زیادہ خیال رکھتے ہیں ۔فقیر کو ایک مرتبہ پیرس سے نیویارک جانا تھا۔ جب فلائیٹ پر بیٹھا تو فقیر کے بالکل ساتھ والی کرسی پر ایک نوجوان لڑکی آ کر بیٹھی تو اس نے آتے ہی اپنی تہذیب کے مطابق فقیر سے ہیلو ہائے کیا۔اس نے پوچھا، آپ کہاں سے ہیں فقیر نے کہا میں پاکستانی ہوں ۔اس نے بھی بتایا کہ میں اپنے خاوند کے پاس نیویارک جا رہی ہوں ۔فقیر کے پاس ایک

کتاب تھی فقیر نے وہ کتاب پڑھنا شروع کر دی۔

تھوڑی دیر کے بعد ائیر ہوسٹس نے کھانا لگایا۔ فقیر نے کھانے سے معذرت کر لی، کیونکہ پتہ تھا کہ یہ کھانا پیرس میں بنایا گیا ہے، معلوم نہیں کہ کس طرح کا پکا ہوا ہے اور کیسا نہیں۔ احتیاط اسی میں ہوتی ہے کہ انسان کے پاس اپنا کچھ ہو جس سے وہ سفر کے اندر اپنا گزر اوقات کر سکے۔

اس لڑکی نے اپنے سامنے میز پر کھانا لگوالیا۔ چونکہ وہ بالکل ساتھ والی سیٹ پر بیٹھی تھی اس لئے فقیر کو اس کی حرکات وسکنات کا پتہ چل رہا تھا کہ کیا ہو رہا ہے۔ اس نے بچی کو گود میں بٹھایا۔ اور چمچ میں چاول لے کر اپنے منہ میں ڈالے۔ چھوٹی بچی نے آواز دی کہ !Mom یعنی وہ چاہ رہی تھی کہ مجھے بھی دیں۔ جب اس بچی نے کہا تب ماں نے چمچ میں تھوڑے سے چاول لئے اور بچی کے منہ میں ڈالے۔ جب بچی نے کھا لئے تو ماں نے کہا، .Say, thank you (کہو آپ کا شکریہ) وہ چھوٹی سی بچی ماں کو کہتی ہے .Mom! thank you پھر ماں نے کھانا شروع کر دیا۔ تھوڑی دیر کے بعد بچی نے پھر اشارہ کیا۔ اب اس نے پھر چمچ میں چاول لے کر اس کے منہ میں ڈالے اور پھر کہا .Say! thank you (کہو، آپ کا شکریہ)۔ وہ ایک ایک چمچ بیٹی کو دیتی رہی اور ہر چمچ پر .Thank you کا لفظ کہلواتی رہی۔

اسی دوران کچھ چاول ماں کے کپڑوں پر گر گئے۔ بیٹی نے دیکھا تو اشارہ کر کے کہنے لگی !Mom ماں نے ٹشو پیپر سے اس کپڑے کو صاف کیا اور صاف کرنے کے بعد اب ماں اپنی بیٹی کو کہہ رہی ہے۔ .Thank you کھانے کے دوران اس ماں نے اپنی بیٹی سے تقریباً 36 مرتبہ .Thank you کا لفظ کہلوایا۔ اب بتایئے کہ شکریہ ادا کرنے کی یہ عادت اس بچی کی گھٹی میں پڑ جائے گی یا نہیں۔

میرے دوستو! یہ تعلیم تو اسلام نے ہمیں دی تھی۔ حدیث پاک میں آیا ہے مَنْ لَمْ يَشْكُرِ النَّاسَ لَمْ يَشْكُرِ اللّٰهَ جو انسانوں کا شکریہ ادا نہیں کرتا وہ اللہ کا بھی شکر ادا

نہیں کرتا۔ مگر آج ہے کوئی ماں جو اپنے بیٹے کو شکریہ ادا کرنے کی عادت ڈال دے۔ اسی لئے جب بچے بڑے ہو جاتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ماں باپ نے جتنے جتن کاٹے ہیں وہ تو انہوں نے کرنا ہی تھا۔ بڑا بھائی چھوٹے کے لئے کتنی ہی قربانیاں دے دے ، چھوٹا بھائی بڑے بھائی کو کبھی شکریہ کا لفظ نہیں کہے گا۔

نظم وضبط:

فقیر واشنگٹن میں کئی منزلہ عمارت میں ٹھہرا ہوا تھا۔ اس عمارت کے قریب ایک گراؤنڈ تھا۔ وہاں ٹھیک 6:45 بجے بچوں کی ایک سکول وین آتی۔ جب کہ بچے اس گراؤنڈ میں 6:30 بجے آ جاتے۔ چونکہ بچے ہر جگہ بچے ہی ہوتے ہیں، اس لئے وہ پندرہ منٹ پہلے آ کر اپنے بستے پھینکتے اور کھیلنا شروع کر دیتے۔ کوئی بھاگ رہا ہے، کوئی دوڑ رہا ہے، کوئی گر رہا ہے، کوئی گرا رہا ہے۔

ٹھیک 6:45 بجے وین ڈرائیور آ کر بریک لگاتا اور بریک لگانے کے بعد ہارن دیتا۔ اس کا ہارن سن کر فقیر گھڑی دیکھتا تو پورے پونے سات بجے کا وقت ہوتا۔ فقیر کھڑکی میں سے جھانک کر دیکھتا۔ ہارن کی آواز سنتے ہی ان بچوں میں معلوم نہیں کہ کوئی اور انسان بیدار ہو جاتا تھا کہ وہ سب کے سب اپنے بستے لیتے اور گاڑی کے سامنے بالکل سیدھی لائن بنا کر کھڑے ہو جاتے۔ کنڈیکٹر، والدین اور اساتذہ میں سے کوئی بھی پاس نہ ہوتا مگر وہ اتنے تربیت یافتہ تھے کہ بالکل سیدھی لائن بنا کر کھڑے ہو جاتے۔ چھوٹے قد کا بچہ سب سے پہلے کھڑا ہوتا، اس کے بعد اس سے بڑے قد کا، پھر اس کے بعد اس سے بڑے قد کا۔ حتیٰ کہ جو سب سے بڑا کڑیل اور لحیم وشحیم ہوتا وہ سب سے آخر میں کھڑا ہوتا۔ جب ڈرائیور دیکھتا کہ تمام لڑکے ایک لائن میں کھڑے ہو گئے ہیں تو وہ گھنٹی بجاتا اور کہتا First یعنی پہلے بچے کو سوار ہونے کے لئے آواز دیتا۔ پہلا بچہ سوار ہو کر اپنی پسند کی سیٹ پر بیٹھ جاتا۔ ڈرائیور پھر کہتا، Next تو دوسرا

بچہ سیٹ پر بیٹھ جاتا۔ وہ ہر بار Next,Next کہتا رہتا اور بچے ایک ایک کر کے سیٹ پر بیٹھتے چلے جاتے۔ جب وہ سیٹ بائی سیٹ بیٹھ جاتے تو ڈرائیور دروازہ بند کرتا اور چلا جاتا۔

فقیر کافی دیر سوچتا رہتا کہ اس قدر نظم وضبط والے معاشرے کو شکست دینا کتنا مشکل کام ہے۔ جبکہ اس کے مقابلے میں ہمارے لوگوں میں سے اوسط سے ذرا اوپر والے لوگ ہوائی جہازوں میں سفر کرتے ہیں۔ ان کو بورڈنگ پاس مل چکے ہوتے ہیں، سیٹ نمبر مل چکا ہوتا ہے، لاؤنج میں بیٹھے ہوتے ہیں، ادھر سے اعلان ہوتا ہے کہ تشریف لے آئیں تو ادھر دروازے پر وہ اودھم مچا دیا جاتا ہے کہ عورتیں بیچاری پیچھے کھڑی رہتی ہیں۔ حالانکہ ہر بندے کو معلوم ہوتا ہے کہ فلائیٹ والے مجھے لئے بغیر فلائیٹ نہیں چلائیں گے۔ حتیٰ کہ ٹائلٹ سے بھی جا کر ڈھونڈیں گے کہ بندہ کدھر غائب ہے مگر اس کے باوجود ہمارے اندر اتنی بھی تحمل مزاجی نہیں ہوتی کہ ہم لیڈیز کو پہلے سوار ہونے دیں، چند منٹ ذرا پیچھے کھڑے ہو جائیں کہ میرے دوسرے مسلمان بھائی مجھ سے پہلے چلے جائیں۔ جب فقیر موازنہ کرتا ہے تو حیرانی ہوتی ہے۔

بہر حال یہ یورپی معاشرہ کے مثبت پہلو ہیں۔ مثبت پہلو خواہ کسی بڑے سے بڑے دشمن کے ہی کیوں نہ ہوں وہ تسلیم کرنا پڑتے ہیں۔ تاہم اس سوسائٹی کے کئی منفی پہلو بھی ہیں۔

مغربی معاشرے کے منفی پہلو

ماں باپ کی زبوں حالی:

وہاں پر ساری ٹیکنالوجی کے باوجود گھریلو زندگی سکون سے خالی ہے۔ اکثر بچے 18 سال کی عمر کے منتظر رہتے ہیں۔ 18 سال گزرنے کے بعد اپنے والدین کو الوداع

کہہ دیتے ہیں ۔ 18 سال کے بعد بچوں اور ماں باپ کے درمیان تعلقکو درست رکھنے کے لئے اس سوسائٹی میں کوئی کنٹرول نہیں ہے ۔ سارے سال میں ایک Mother-day منایا جاتا ہے ۔ اس دن بچے جہاں کہیں ہوں وہ ماں کو خط لکھ دیتے ہیں یا ماں کو تحفہ بھیج دیتے ہیں ۔ وہ تحفہ بھیج کر یہ سمجھتے ہیں کہ ہم نے ماں کا حق ادا کر دیا ہے۔

ایک لڑکی واشنگٹن میں رہتی ہے ۔ اس کے ماں باپ بھی واشنگٹن میں رہتے ہیں مگر وہ کہتی ہے کہ پچھلے سات سال سے مجھے اپنے ماں باپ سے ملنے یا بات کرنے کا موقع نہیں ملا ۔ اس لئے کہ 18 سال کی عمر کے بعد بچوں کے اندر جوانی کا طوفان ہوتا ہے ۔ اور وہ جوانی کے کاموں میں اتنا مشغول ہو جاتے ہیں کہ ان کو دنیا میں کسی کی پروا ہ نہیں ہوتی ۔ بوڑھے والدین کو اس وقت اپنے بچوں کی خدمت کی ضرورت ہوتی ہے ۔ یہ اس سوسائٹی کا سب سے کمزور ترین نقطہ ہے ۔ گھر جتنی چیزوں سے بھی بھر جائے ، انسان تو گوشت کا بنا ہوا ہے ، اس کے دل میں جذبات بھی ہیں ، لہٰذا والدین کو جو سکون اولاد سے مل سکتا ہے بھلا وہ لوہے اور سونے چاندی کی بنی ہوئی چیزوں سے کہاں مل سکتا ہے۔

حکومت نے اس طرح کے لاوارث بوڑھے ماں باپ کی خبر گیری کے لئے بوڑھے لوگوں کے لئے گھر بنائے ہوئے ہیں ۔ وہاں پر بہترین انتظامات کئے جاتے ہیں ۔ مگر وہاں پر سب بوڑھے ہوتے ہیں ، کوئی بھی جوان یا چھوٹا بچہ نہیں ہوتا جوان کا دل بہلائے ۔ لہٰذا بوڑھوں کے گھروں میں کچھ عرصہ رہنے کے بعد ان کا دل اکتانا شروع ہو جاتا ہے ۔ حتیٰ کہ بعض اوقات وہ پسند کرتے ہیں کہ ہمیں زہر کا ٹیکہ لگا دیا جائے۔

سویڈن میں طلاق کی شرح:

سویڈن اتنا امیر ملک ہے کہ اس کے پاس اتنی دولت ہے کہ ان کا بجٹ نفع والا

ہوتا ہے جبکہ ہمارے ملک کا بجٹ خسارے والا ہوتا ہے۔ ہم سوچتے ہیں کہ پیسے آئیں گے کہاں سے اور وہ سوچتے ہیں کہ پیسے لگائیں گے کہاں پہ۔ سویڈن کی ایک کمپنی کے ڈائریکٹر نے مجھے بتایا کہ اگر پوری قوم کام کرنا چھوڑ دے اور جس طرح عیش وعشرت میں وقت گزار رہے ہیں گزارتے رہیں تو حکومت ان کو 6 سال تک کھلا سکتی ہے۔ جس کے پاس نوکری نہیں ہوتی اس کو 2000 کرونا ماہانہ الاؤنس ملتا ہے۔ گھر نہیں ہے تو سوشل سیکیورٹی والے گھر لے کر دیتے ہیں۔ بیمار ہو جائے تو اس کا علاج کروایا جاتا ہے۔ اب ان کا روٹی، کپڑے اور مکان کا مسئلہ تو حل ہو گیا، اس کے بعد انسان کی خواہشات رہ گئیں، شہوات رہ گئیں۔ اس سلسلہ میں وہ جنسی اعتبار سے آزاد ملک کہلاتا ہے۔ کون کس کے ساتھ رہتا ہے، کب رہتا ہے، کیوں رہتا ہے، کسی کو اس سے کوئی غرض نہیں ہوتی۔ لہٰذا یہ مسئلہ بھی ان کا حل ہو گیا۔ اب ان کے لئے ظاہری طور پر کا کوئی مسئلہ موجود نہیں ہے لیکن یہ ایک تلخ حقیقت ہے کہ سویڈن میں خودکشی کی شرح پوری دنیا میں سب سے زیادہ ہے۔ اور وہاں 70% عورتوں کو طلاق ہو جاتی ہے۔ کیوں؟ اس لئے کہ ذہنی پریشانی ہوتی ہے۔

میاں بیوی میں محبت کی کمی:

35 سال کی ہمراہی کے باوجود میاں بیوی میں محبت پیدا نہیں ہوتی، وفاداری کا جذبہ پیدا نہیں ہوتا۔ معمولی سی بات پر خاوند کہتا ہے۔ I don,t care. بیوی بھی کہتی ہے۔ I don,t care. اب خاوند نے بیگ سنبھالا اور ادھر کا راستہ لیا اور بیوی نے بیگ سنبھالا اور ادھر کا راستہ لیا۔ 35 سال اکٹھا رہنے کے باوجود بیوی اپنا کماتی ہے اور خاوند اپنا کماتا ہے۔ اور باورچی خانے کے لئے خرچہ دونوں میں تقسیم کر دیا جاتا ہے۔ اس سے عجیب بات یہ ہے کہ راستے میں جاتے ہوئے اگر خاوند کے

پاس سگریٹ ختم ہو جاتے ہیں تو وہ اپنی بیوی سے ادھار مانگتا ہے جو کہ بعد میں واپس کرنا پڑتا ہے۔ اور اگر بیوی کے پاس سگریٹ ختم ہو جاتے ہیں تو وہ خاوند سے ادھار مانگتی ہے بعد میں اسے بھی واپس کرنا پڑتے ہیں۔ اس سوسائٹی میں ایثار کا تو تصور ہی نہیں ہے، بس کہتے ہیں کہ اس ہاتھ لے اس ہاتھ دے، کیا خوب سودا نقد ہے۔ اتنی ٹیکنالوجی کے باوجود ان کے دلوں کے اندر وہ محبتیں، وہ ایثار اور وہ وفائیں پیدا نہیں ہوتیں جو آج بداعمالیوں کے باوجود ہمارے معاشرے میں میاں بیوی کے اندر موجود ہیں۔

اسلام کی برکت:

یہ اسلام کی برکت ہے۔ اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا اگر آپ دنیا میں جو کچھ ہے خرچ کر دیتے آپ ان کے دلوں میں محبتیں پیدا نہیں کر سکتے وَ لٰکِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ بَیْنَهُمْ یہ تو اللہ نے ان کے دلوں میں محبتیں پیدا کر دی ہیں۔ یہ دین اسلام کی برکت ہے کہ آج اتنے مسائل ہونے کے باوجود، اتنے پریشر ہونے کے باوجود، اتنے مسائل ہونے کے باوجود آج گھر کے افراد کے اندر پھر بھی محبت کے مناظر دیکھنے میں آتے ہیں۔ ماں باپ اور اولاد میں محبت ہوتی ہے۔ بیٹا پردیس میں جاتا ہے تو بوڑھی ماں منتظر رہتی ہے، راتوں کو اٹھ کر دعائیں مانگ رہی ہوتی ہے۔ اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ بے شک جو لوگ ایمان لائیں گے اور نیک اعمال کریں گے سَیَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا اللہ رب العزت ان کے دلوں کے اندر محبتیں پیدا کر دیں گے۔ یہ محبتیں اور ایثار مغربی سوسائٹی میں رہنے والے لوگوں کیلئے خواب ہے۔ ان کو ظاہر میں یہ نعمتیں نہیں ملتیں۔

اولاد کے بارے میں تصور:

ہمارے ایک دوست کہنے لگے کہ میں ہوائی جہاز میں سفر کر رہا تھا۔ میرے بالکل

قریب ایک جوڑا بیٹھا ہوا تھا۔ پہلے تو وہ اپنے ہی کاموں میں مشغول رہے۔ کچھ دیر کے بعد فارغ ہوئے تو انہوں نے مجھ سے ہیلو ہائے کیا۔ میں نے ان سے پوچھا، How many kids have you ? کہ تمہارے کتنے بچے ہیں؟ تو وہ دونوں میاں بیوی جواب دینے لگے کہ We would like to have a dog. کہ ہم بچوں کی بجائے گھر میں کتا پالنا پسند کریں گے۔ وہ کہتے ہیں کہ میں حیران ہوا اور ان سے پوچھا، بھئی! آپ کتا پالنا کیوں پسند کریں گے؟ کہنے لگے، اس لئے کہ وہ بچوں سے زیادہ وفادار ہوتا ہے۔ جب ماں باپ کا اولاد کے بارے میں یہ تصور ہے تو اولاد کا ماں باپ کے بارے میں کیا تصور ہوگا۔ چنانچہ اولاد ذرا بڑی ہوتی ہے تو ماں باپ کو سامنے کہہ دیتی ہے۔

You enjoyed your life and now let me enjoy my life.

کہ آپ نے اپنی زندگی کے مزے لئے اب ہمیں اپنی زندگی سے لطف اندوز ہونے دیں۔ ان کے دلوں میں اتنی بے مروتی نظر آتی ہے جیسے خون بالکل سفید ہو گئے ہیں۔

ایک بوڑھی عورت کی کسمپرسی:

میرے ایک دوست کہنے لگے کہ میں ریل گاڑی میں سفر کر رہا تھا۔ ایک نوے سال سے زیادہ عمر کی بوڑھی عورت مجھے کہنے لگی، کیا آپ مسلمان ہیں؟ میں نے کہا ہاں، میں مسلمان ہوں۔ کہنے لگی کہ میں نے سنا ہے کہ مسلمان وعدے کے بڑے پابند ہوتے ہیں۔ میں نے کہا، ہاں بڑے پابند ہوتے ہیں۔ کہنے لگی، کیا آپ مجھ سے ایک وعدہ کر سکتے ہو؟ میں نے کہا، جی مجھے بتائیں کہ میں کیا وعدہ کروں۔ کہنے لگی، بس آپ مجھ سے وعدہ کریں پھر میں آپ کو بتاؤں گی۔ میں نے کہا کہ مجھے بتاؤ تو سہی کہ

کیا وعدہ لینا ہے۔ کہنے لگی کہ وعدہ یہ لینا ہے کہ آپ امریکہ میں جہاں کہیں بھی ہوں روزانہ پانچ منٹ کے لئے مجھے Collect call کر دیا کریں۔ Collect call ایسے ٹیلیفون کو کہتے ہیں کہ آپ ٹیلیفون سے کسی آدمی کو فون کریں مگر بل آپ کی بجائے اس بندے کو آئے گا جس کو ٹیلیفون کیا جا رہا ہے۔ گویا وہ کہہ رہی تھی کہ بل میں ادا کروں گی۔ میں نے پوچھا، کیوں؟ کیا آپ کے بچے نہیں ہیں؟ کہنے لگی کہ بچے تو ہیں مگر ان کے پاس مجھے ملنے کے لئے ٹائم ہی نہیں ہے۔ میرا بہت بڑا گھر ہے، مجھے اتنی پنشن ملتی ہے، مجھے خرچ کی پروا نہیں۔ مگر میں اپنے بچوں کو یاد کرتی ہوں اور اتنے بڑے گھر میں سارا دن اکیلی رہتی ہوں جس کی وجہ سے اب میری صحت بھی خراب ہوتی چلی جا رہی ہے۔ اگر آپ مجھے کال کرنے کا وعدہ کریں تو ۲۴ گھنٹوں میں مجھے انتظار رہے گا کہ کبھی نہ کبھی میرے فون کی گھنٹی تو بجے گی۔ میں یہی سمجھوں گی کہ امریکہ میں کوئی بندہ تو میرے بارے میں سوچ رہا ہوگا۔ اس طرح آپ کے فون کے انتظار میں مجھے سارا دن جینے کے لئے ایک طاقت مل جائے گی۔

اب بتایئے کہ جس ماں کی اسی ملک میں اولاد بھی موجود ہے، وہ ماں پانچ منٹ کے لئے کسی سے بات کرنے کو ترستی پھرتی ہے۔ یہ اس سوسائٹی کا سب سے کمزور پہلو ہے۔

کتا افضل ہے یا ماں.....!!!

امریکہ کی ایک ریاست میں ایک ماں نے اپنے بیٹے کے خلاف مقدمہ کیا۔ وہ مقدمہ اخبارات کی بھی زینت بنا اور ٹی وی میں بھی اس کی تفصیل آئی۔ ماں نے مقدمہ یہ کیا کہ میرے بیٹے نے گھر میں کتا پالا ہوا ہے اور یہ روزانہ تین چار گھنٹے اس کتے کے ساتھ صرف کرتا ہے، یہ اسے نہلاتا ہے، اس کی ضروریات پوری کرتا ہے، اس کو اپنے ساتھ ٹہلنے کے لئے بھی لے جاتا ہے، وہ اپنے کتے کو روزانہ سیر بھی کرواتا

ہے، اسے کھلاتا پلاتا بھی ہے۔ میں بھی اسی گھر کے دوسرے کمرے میں رہتی ہوں لیکن یہ میرے کمرے میں پانچ منٹ کے لئے بھی نہیں آتا۔ اس لئے عدالت کو چاہئے کہ وہ میرے بیٹے کو پابند کرے کہ وہ روزانہ ایک مرتبہ میرے کمرے میں آیا کرے۔

جب ماں نے مقدمہ کیا تو بیٹے نے بھی مقدمہ لڑنے کے لئے تیاری کر لی۔ ماں نے بھی وکیل بنا لیا اور بیٹے نے بھی وکیل بنا لیا۔ جب دونوں کے وکیل جج صاحب کے سامنے پیش ہوئے تو جج صاحب نے مقدمہ کی سماعت کے بعد فیصلہ دیا کہ عدالت آپ کے بیٹے کو آپ کے کمرے میں پانچ منٹ کے لئے آنے پر مجبور نہیں کر سکتی کیونکہ مقامی قانون ہے کہ جب اولاد ۱۸ سال کی عمر کو پہنچ جائے، اس کو حق حاصل ہوتا ہے کہ وہ اپنے ماں باپ کو چاہے تو کچھ وقت دے یا بالکل علیحدگی اختیار کر لے۔ رہی بات کتے کی تو کتے کے اس کے اوپر حقوق ہیں جن کو ادا کرنا اس کی ذمہ داری ہے۔ البتہ اگر ماں کو کوئی تکلیف ہے تو اس کو چاہئے کہ وہ حکومت سے رابطہ کرے، وہ اسے بوڑھوں کے گھر میں لے جائیں گے اور وہاں جا کر اس کی خبر گیری کریں گے۔ اب بتایئے کہ جہاں ماں اور بیٹے کا یہ تعلق ہوگا وہاں پر زندگی سکون سے کیسے گزرے گی؟

جرمنی میں بیٹی سے باپ کی بدسلوکی:

ہمارے ایک پروفیسر ہمیں انجینئرنگ کا ایک مضمون پڑھا رہے تھے۔ کہنے لگے کہ میں نے جرمنی سے ایک کورس کیا۔ جس آفس میں کام کرتا تھا اس آفس میں میرے ساتھ والے کاؤنٹر پر ایک لڑکی بیٹھتی تھی۔ ایک دن وہ دیر سے آفس میں پہنچی۔ میں نے دیکھا کہ پریشان سی لگ رہی ہے۔ میں نے اس سے پوچھا، کیا کوئی مشکل درپیش ہے۔ وہ کہنے لگی کہ میں اپنے والد کے مکان میں رہتی تھی۔ میرے والد مجھ سے بہت زیادہ کرایہ وصول کرتے تھے کچھ دنوں سے کسی آدمی نے ان کو زیادہ کرایہ **Offer** کر دیا تھا۔ وہ مجھ سے کہہ رہے تھے کہ یا تو تم بھی

کرایہ بڑھاؤ یا پھر میں دوسرے آدمی کے ساتھ معاملہ طے کرلوں گا۔ میں نے کہا کہ میری سالانہ ترقی آنے والی ہے، اس کے بعد میں زیادہ کرایہ دینا شروع کر دوں گی مگر وہ دو روز پہلے آئے اور کہنے لگے کہ میں نے اس آدمی سے بات چیت کرلی ہے لہٰذا تم اپنے لئے جگہ کا بندوبست کرلو۔ مجھے نئے مکان کا بندوبست کر کے اپنا سامان شفٹ کرنا پڑا جس کی وجہ سے میں آج تھکی ہوئی اور پریشان حالت میں دفتر پہنچی ہوں۔

اسلامی معاشرہ میں بیٹی کا مقام:

ایک مغربی معاشرہ ہے جہاں باپ اور بیٹی میں یہ محبت ہے اور دوسری طرف اسلام کی برکتیں دیکھئے کہ ہماری نالائقیوں اور بدعملیوں کے باوجود آج بھی یہاں باپ اور بیٹی میں اتنی محبتیں ہیں کہ باپ اپنی بیٹی کے لئے اپنے دل کو نکال کر طشتری میں رکھنے کے لئے تیار ہو جائے۔ میرے دوستو! میں جب کبھی وہ مناظر دیکھتا ہوں جب کوئی بیٹی اپنے گھر سے شادی کے وقت رخصت ہو رہی ہوتی ہے۔ باپ اپنی بیٹی کو اپنی زندگی کی ساری کمائی تو پیش کر چکا ہوتا ہے پھر اس موقع پر باپ کی آنکھوں سے آنسو بھی آ رہے ہوتے ہیں، ماں بھی رو رہی ہوتی ہے، بھائی اور بہنیں بھی رو رہی ہوتی ہیں۔ وہ منظر بتاتا ہے کہ دلوں میں محبتیں باقی ہیں۔ اتنا پیار دنیا میں کسی بیٹی کو کہاں نصیب ہوگا جو آج اسلام کی برکت سے ایک باپ اپنی بیٹی کو پیش کر رہا ہوتا ہے۔ یہاں باپ اور بیٹی میں اللہ نے یہ محبت رکھ دی ہے اور وہاں باپ اور بیٹی کا وہ تعلق ہے۔ اب دونوں کے درمیان فرق کا اندازہ آپ خود کر سکتے ہیں۔

ڈھونڈنے والا ستاروں کی گزرگاہوں کا
اپنے افکار کی دنیا میں سفر کر نہ سکا
جس نے سورج کی شعاعوں کو گرفتار کیا
زندگی کی شب تاریک سحر کر نہ سکا

ساری دنیا کو قمقموں سے روشن کرنے والا انسان آج اپنے من میں اندھیرا لئے پھرتا ہے۔ ساری دنیا کو روشنیاں دینے والا انسان آج اندر کی بستی میں اندھیرے کے ساتھ زندگی گزار رہا ہے۔

جس قدر تسخیر خورشید و قمر ہوتی گئی
زندگی تاریک سے تاریک تر ہوتی گئی
کائنات ماہ و انجم دیکھنے کے شوق میں
اپنی دنیا سے یہ دنیا بے خبر ہوتی گئی

محبتیں ہی تو انسان کی زندگی ہے۔ جہاں یہ محبت و پیار نہ ہو وہاں کی اتنی ٹیکنالوجی کس کام کی ہوگی۔ یہ محبتیں پیدا کرنے کے لئے ایک دن ان کو اسلام کے دامن میں آنا پڑے گا۔

ماں کی عظمت:

آپ خود سوچئے کہ وہ ماں جس نے بیٹے کو جنم دیا، جس نے اپنی گود میں بچے کی پرورش کی، جو بچے کے لئے راتوں کو جاگتی رہی، جس نے بچے کو اتنی قربانیوں کے ساتھ پال کر بڑا کیا، وہ ماں کی مامتا اپنے بچے کے لئے کتنا اداس ہوتی ہوگی۔ ماں کے دل میں بچے کی کتنی محبت ہوتی ہے؟ اس کو ماپنے کے لئے آج تک کوئی پیمانہ نہ بن سکا۔ ماں کی مامتا وہ گہرا سمندر ہے جس کی گہرائیوں کو کوئی نہیں ماپ سکتا۔ ماں کی مامتا وہ ہمالیہ پہاڑ ہے جس کی بلندیوں کو آج تک کوئی نہ پہچان سکا۔ یہ ماں ہی جانتی ہے کہ اولاد کے لئے اس کا دل کتنا تڑپ رہا ہوتا ہے۔ مگر اس معاشرہ میں جب یہی ماں بوڑھی ہوتی ہے اور بچہ جوان ہوتا ہے تو بچے کے پاس فرصت نہیں ہوتی کہ وہ ماں کی بات کا جواب دے سکے۔

لمحہ ءفکریہ:

اے احسان فراموش بیٹے! تو اپنی اس ماں کے ساتھ یہ برتاؤ کرتا ہے جس نے تجھے جنم دیا، جس نے تیری پرورش کی اور جس نے تیرا سایہ بن کر زندگی گزاری۔ آج وہ تجھ سے بات کرنے کو ترستی ہے اور تو کہتا ہے کہ میرے پاس فرصت نہیں۔ حیف ہے تیری جوانی پر، افسوس ہے تیری زندگی پر کہ تو اپنی ماں کے لئے دل میں آج اتنی محبت بھی نہیں رکھتا۔ ارے! ماں تو وہ ماں تھی جو تجھے اپنے ہاتھ سے جوتا پہناتی تھی، آج تو اس کے لئے جوتے سیدھے نہیں کرسکتا۔ ارے! بچپن میں وہ تجھے پہلے کھلاتی تھی بعد میں خود کھاتی تھی، پہلے تجھے پلاتی تھی اور بعد میں خود پیتی تھی، پہلے تجھے سلاتی تھی بعد میں خود سوتی تھی۔ کیا اس کی وفاؤں کا آج یہی صلہ ہے کہ تمہیں اپنی جوانی کا نشہ اپنی ماں کے کمرے میں پانچ منٹ کے لئے بھی نہیں آنے دیتا۔

حدیث پاک میں آیا ہے کہ جس نے اپنی ماں یا اپنے باپ کے چہرے پر محبت اور عقیدت کی ایک نظر ڈالی اللہ رب العزت اس کو ایک حج اور ایک عمرہ کا ثواب عطا فرماتے ہیں۔ ایک جگہ تو ماں باپ کے بارے میں یہ تصور پیش کیا جارہا ہے اور دوسری جگہ پر 18 سال کے بعد ماں باپ اپنی اولاد سے کچھ توقع نہیں رکھ سکتے۔

فرنگیوں سے ایک سوال:

فقیر نے وہاں بڑی بڑی محفلوں میں کہا کہ یہ پڑھی لکھی سوسائٹی مجھے ایک سوال کا جواب دے کہ ایک لڑکی جو غیر تھی، جو کسی اور گھر میں پلی بڑھی، جوان ہوئی، آج وہ اس لڑکے کے ساتھ آکر رہنے لگ گئی ہے، یہاں کا قانون اس لڑکی کے لئے تمام حقوق تسلیم کرتا ہے اور وہ ماں جس نے اس کو پیٹ میں اٹھائے رکھا، جو صحت کے باوجود مریضہ بن کر زندگی گزارتی رہی، ان نو مہینوں میں وہ اپنی پسند کا کھانا بھی نہیں کھا

سکتی تھی، پسندیدہ چیزوں کی مہک اسے بری معلوم ہوتی تھی، اس کو صحت کے باوجود کمزوری محسوس ہوتی تھی، وہ اپنے خون سے تیری نشو ونما کرتی تھی، وہ تجھے اپنی گود میں ڈال کر تیرے چہرے پر محبت کی نظر ڈالا کرتی تھی، یہاں کا قانون ۱۸ سال کے بعد اس ماں کے لئے کوئی حقوق تسلیم نہیں کرتا۔ اس کی کوئی دلیل بنتی ہے؟

فقیر نے یہ سوال مختلف محفلوں میں پوچھا مگر ان کے پاس اس سوال کا کوئی جواب نہیں تھا۔ پھر فقیر نے کہا کہ ہمارے مذہب میں دیکھئے، بیوی کے اپنے حقوق ہیں مگر ماں کے اپنے حقوق ہیں۔ ماں کو اپنی حیثیت دی گئی ہے اور بیوی کو اپنی حیثیت دی گئی ہے۔ یہ زندگی کی وہ حقیقت ہے جو اس سوسائٹی کو بالآخر ایک نہ ایک دن تسلیم کرنا پڑے گی۔

فرنگیوں کا قبول اسلام:

بلکہ ابھی یہ پوزیشن ہے کہ جب وہ اسلام کا مطالعہ کرتے ہیں تو وہ بخوشی اسلام قبول کرنے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں۔ کتنے ہی ایسے لوگ ہیں جو مسلمانوں کے نکاح کو ہوتے ہوئے دیکھ کر اسلام قبول کر لیتے ہیں، مسلمانوں کی ازدواجی زندگی میں پیار و محبت دیکھ کر اسلام قبول کر لیتے ہیں۔ یہ پہلو ہمارے پاس سب سے زیادہ مضبوط ہے، جسے ایک دن دنیا طلب کرے گی اور انہیں محمد عربی ﷺ کے دروازے پر آنا ہوگا۔

نہ کہیں جہاں میں اماں ملی جو اماں ملی تو کہاں ملی
میرے جرم خانہ خراب کو تیرے عفو بندہ نواز میں

پرسکون زندگی کا راز:

امریکہ میں مجھے ایک کمپنی کا ڈائریکٹر ملا۔ وہ پی، ایچ، ڈی تھا۔ کہنے لگا، میں بھی پاکستان گیا ہوں اور میں نے وہاں ایک عجیب بات دیکھی۔ میں نے کہا، بتاؤ، وہ

کونسی؟ کہنے لگا، وہاں کے بارے میں دو باتیں کرتا ہوں

Pakistan is a country where car and the camel share the same road.

یعنی پاکستان ایک ایسا ملک ہے جس میں کار اور اونٹ ایک ہی سڑک پر چلتے ہیں۔ میں نے کہا، واقعی آپ ٹھیک بات کر رہے ہیں۔ وہ کہنے لگا، میں ایک دوسری بات بھی کرتا ہوں۔ میں نے کہا، وہ کیا؟ کہنے لگا، میں نے وہاں غریب لوگوں کو دیکھا، ان کے کپڑے پھٹے پرانے ہوتے تھے، ان کے چہروں سے اندازہ ہوتا تھا کہ انہیں کھانا بھی ٹھیک نہیں ملتا، ان کے پاس نہانے کے لئے چیزیں بھی پوری طرح نہیں، ان کے گھر کا معیار اتنا اچھا نہیں، لیکن میں یہ دیکھ کر حیران ہوتا تھا کہ ان کے چہروں پر سکون ہوتا تھا، کھڑے ہوتے تھے تو بالکل سیدھے کھڑے ہوتے تھے۔ میں جتنے لوگوں سے پوچھتا تھا وہ سب کے سب رات کو میٹھی نیند سوتے تھے۔ کہنے لگا، مجھے یہ بتائیں کہ اس کی کیا وجہ ہے؟ میں نے کہا کہ یہ اسلام کی برکت ہے

؎ نہ دنیا سے نہ دولت سے نہ گھر آباد کرنے سے
تسلی دل کو ملتی ہے خدا کو یاد کرنے سے

الحمدللہ یہ دین کی برکت ہے کہ آج ہمارے غربا بھی اپنے گھروں میں آرام کی نیند سوتے ہیں جب کہ ان ملکوں کے امراء بھی اپنے گھروں میں آرام کی نیند نہیں سو پاتے۔ یہ ہمارے پاس ایک مثبت پہلو ہے۔

محبت ہی محبت ہوگی:

میرے عزیز دوستو! ان محبتوں کو سلامت رکھئے۔ ان حقوق کا خیال کیجئے جو اسلام نے ہم پر لاگو کئے ہیں۔ یہ اللہ کی رحمت ہے کہ اس نے ہمیں ایک ایسا سسٹم دیا ہے کہ اگر ہم اس کے مطابق زندگی گزاریں گے تو زوجین میں محبت ہوگی، اولاد اور

ماں باپ میں محبت ہوگی، بھائی بھائی میں محبت ہوگی، پڑوسی پڑوسی میں محبت ہوگی۔ گویا اللہ رب العزت ہمیں ایک ایسا معاشرہ دیں گے جہاں ہر طرف محبتیں ہی محبتیں نظر آئیں گی۔

اسلام میں ایثار کی درخشندہ مثال:

اسلام اپنی تاریخ میں ایثار و محبت کے ایسے ایسے واقعات پیش کرسکتا ہے جن کے بارے میں آج کی دنیا تصور بھی نہیں کرسکتی۔ کیا جنگ یرموک کا واقعہ یاد نہیں ہے کہ ایک صاحب شہید ہونے والے ہیں، تڑپ رہے ہیں، **العطش العطش** (پیاس، پیاس) پکار رہے ہیں۔ ان کا چچازاد بھائی پانی لے کر جاتا ہے۔ دوسری طرف سے آواز آتی ہے تو وہ اپنے ہونٹ کو بند کر لیتا ہے اور اشارہ کرتا ہے کہ میری بجائے میرے بھائی کو پانی دیا جائے۔ ادھر جاتے ہیں تو تیسری طرف سے آواز آتی ہے۔ وہ بھی ہونٹ بند کر لیتے ہیں اور تیسری طرف بھیج دیتے ہیں۔ جب تیسری جگہ جاتے ہیں تو وہ آدمی فوت ہو جاتا ہے۔ فوراً لوٹ کر دوسرے کے پاس آتے ہیں وہ بھی فوت ہو چکے ہوتے ہیں، پھر جب لوٹ کر پہلے کے پاس آتے ہیں تو دیکھا کہ وہ بھی فوت ہو چکے ہیں۔ یوں اپنی زندگے کے آخری لمحات میں بھی دوسروں کو اپنے اوپر ترجیح دینے کی تعلیمات اسلام نے دی ہیں۔ پوری دنیا اپنی ٹیکنالوجی کے باوجود یہ مثالیں کبھی بھی پیش نہیں کرسکتی۔ ہمیں چاہئے کہ ہم اپنی زندگی کو اسلام کی تعلیمات کے مطابق گزاریں تاکہ کفر کی دنیا کے سامنے اسلام کی حقیقتیں کھل سکیں، اسلام کی حقانیت ان کے سامنے آجائے اور وہ سارے کے سارے اسلام کے دامن میں داخل ہو جائیں۔ آج مسلمانوں کی بے عملی کی وجہ سے کفار اسلام میں داخل ہونے سے گھبراتے ہیں۔

ایک مسلمان سفیر کی بدحالی:

فقیر نے ایک مرتبہ واشنگٹن میں بیان کیا، جس میں وہاں کے اعلیٰ تعلیم یافتہ لوگ

آئے ہوئے تھے، وہاں پر بیان کے بعد ایک صاحب فقیر کے پاس آئے۔ وہ ایک مسلمان ملک کے ایمبیسیڈ رر ہے تھے۔ گلے ملے اور رونا شروع کر دیا۔ فقیر نے ان کو تسلی دی۔ کافی دیر کے بعد طبیعت بحال ہوئی تو کہنے لگے کہ بات یہ ہے کہ میں مسلمان ملک کا ایمبیسیڈر بن کر یہاں رہا لیکن میری زندگی اسلام سے اتنی دور تھی کہ میرے گھر کا ماحول اچھا نہ تھا۔ میرے دو بیٹے ہیں اور ان دونوں نے غیر مسلم لڑکیوں سے شادی کر لی ہے اور میری ایک بیٹی نے بھی غیر مسلم لڑکے سے شادی کر لی ہے۔

انگریز لڑکیوں سے شادی:

ایسا بھی ہوا کہ لوگ یہاں سے گئے تو نام محمد تھا مگر وہاں جا کر اپنے آپ کو مہمٹ کہلوانا شروع کر دیا۔ ایسا بھی ہوا کہ یہاں سے گئے تو بچوں کے نام محمد اور احمد رکھے ہوئے تھے اور وہاں جا کر انگریز لڑکیوں سے شادی کر لی اور ان سے پیدا ہونے والے بچوں میں سے ایک کا نام Bill ہے، دوسرے کا نام Bob اور تیسرے کا نام Bush ہے۔

مسجد کے مینار یا راکٹ لانچر.....!!!

ایک صاحب لاہور کے رہنے والے تھے۔ وہ امریکہ گئے اور وہاں سے لوٹ کر کئی سالوں کے بعد واپس آئے۔ ان کے بچے وہیں پلے بڑھے۔ وہ اپنے بچوں کو لاہور میں گاڑی میں لے کر جا رہے تھے۔ جب حضرت علی ہجویریؒ کے مزار کے سامنے سے گزرنے لگے تو وہاں ان کو مسجد کے بڑے بڑے ستون نظر آئے۔ وہ بچے اسلام سے اتنے نابلد تھے کہ ان میناروں کو دیکھ کر کہنے لگے،

Dad, why these Rocket Lonchers have been fitted right in the center of the city?

ابا جان! شہر کے بالکل درمیان میں یہ راکٹ لانچر کیوں فٹ کر دیئے گئے ہیں؟

یہ وہاں پر مسلمانوں کی اولادوں کا معاملہ تھا۔

نمازیوں کے لئے پریشانی:

1960ء کی دہائی میں مسلمانوں کے لئے اپنا تشخص برقرار رکھنا بہت مشکل کام تھا۔ حتیٰ کہ ایک دعوت میں اکٹھے ہوتے تو وہاں پر شراب عام پی جاتی تھی۔ اور اگر کسی نے نماز پڑھنا ہوتی تو اس میں جرات نہیں ہوتی تھی۔ لہٰذا چپکے سے ٹائلٹ جانے کے بہانے وہ وضو کرتا اور گھر کے سٹور کے اندر جا کر چھپ کر نماز پڑھتا۔ پھر اپنی ٹائی اور کپڑوں کو ٹھیک کر کے باہر نکلتا کہ لوگ یہ نہ کہیں کہ تم یہاں آ کر بھی کیسے کام کرتے ہو۔ یہ مسلمانوں کی دعوتوں کا حال تھا۔

امریکہ میں اسلامک سنٹرز کا قیام:

پھر ایک ردعمل ہوا۔ لوگوں نے چرچ کرائے پر لینا شروع کر دیئے، اپنی زمینیں خریدنا شروع کر دیں، اسلامک سنٹرز بنانا شروع کر دیئے۔ چنانچہ 1980ء کی دہائی میں تیزی کے ساتھ اسلامک سنٹرز بننا شروع ہو گئے۔ ان میں سنڈے سکول لگنے لگ گئے۔ اتوار کے دن قرآن پاک کی تعلیم دی جانے لگ گئی۔ چنانچہ اسلام کی سرگرمیاں شروع ہو گئیں۔

مسلمان نوجوانوں کی سرگرمیاں:

اب 1990ء کی دہائی میں وہاں پر کافی تبدیلی نظر آ رہی ہے۔ بعض شہروں میں مسلمانوں نے اپنے کالج بنا لئے ہیں بلکہ شکاگو کے اندر مسلمانوں نے دو یونیورسٹیاں بنالی ہیں۔ اس کا بہت زیادہ فائدہ ہوا۔ فقیر نے ایک مرتبہ ظہر کی نماز شکاگو یونیورسٹی میں پڑھی۔ وہاں کے طلباء کو ''سنت نبوی ﷺ اور جدید سائنس'' کے عنوان پر خطاب کیا۔ الحمدللہ کہ وہاں پر کئی طلباء بیعت ہوئے۔ اس کے بعد ان کی زندگیوں میں بہت

زیادہ تبدیلی آئی۔ان کی حیران کن قربانیاں دیکھیں۔فقیر ایک مسجد میں گیا۔وہاں ظہر کی نماز میں تقریباً ۱۵۰ نوجوان، بچے اور بوڑھے نمازی موجود تھے۔فقیر نے ایک صاحب سے پوچھا، کیا یہ کوئی خاص موقع ہے کہ امریکہ کے ماحول میں ۱۵۰ آدمی موجود ہیں۔ کہنے لگا، نہیں بلکہ یہاں پر سکول اور کالج مسلمانوں کے اپنے ہیں۔ ہمارے بچے مسلمان استادوں کے ہاتھوں تعلیم پاتے ہیں۔اور وہ ان کو مسلمان بنا کر ہی تعلیم دیتے ہیں۔لہٰذا ان نوجوانوں کے چہروں پر آپ نور دیکھیں گے اور وہ پانچ وقت کے نمازی نظر آئیں گے۔ چنانچہ فقیر نے دیکھا کہ عین جوانی کے عالم میں انہوں نے داڑھی کی سنت پر عمل کیا ہوا تھا، بعض نے عمامہ باندھا ہوا تھا۔ان میں سے بعض نے مل کر یوتھ گروپ بنایا ہوا ہے، وہ آپس میں درس قرآن دیتے ہیں۔ان نوجوانوں کی سرگرمیوں کو دیکھ کر دل باغ باغ ہو گیا۔الحمدللہ جب یہ نوجوان بڑے ہوں گے تو یہ وہاں پر اپنے وجود کا ثبوت پیش کریں گے۔نہ صرف شکاگو میں ہی بلکہ جارجیا، اٹلانٹا میں بھی سکول بن چکے ہیں، واشنگٹن میں بھی اب ایک ادارے کی بنیاد رکھ دی گئی ہے، کیلیفورنیا میں بھی ایک یونیورسٹی بن گئی ہے، جس سے آئندہ مسلمان نسل مسلمان بن کر آسانی سے زندگی گزار سکے گی۔

الحمدللہ وہاں اتنی تبدیلی آچکی ہے کہ اب یہ نوجوان وہاں کے مقامی لوگوں سے اسلام کے بارے میں بات کرتے ہیں اور ایک ایک نوجوان آٹھ آٹھ دس دس نوجوانوں کے مسلمان بننے کا ذریعہ بن رہا ہے۔

ایک انگریز نوجوان کا قبول اسلام:

فقیر کو ایک نوجوان ملا۔اور کہنے لگا، میں کل اپنے ایک دوست کو لاؤں گا وہ کافر ماں باپ کا بیٹا ہے، میں اس سے کئی دن سے اسلام کے بارے میں بات کر رہا تھا، اب اس نے کلمہ پڑھنا ہے، آپ مجھے بتا دیجئے کہ آپ کب وقت دیں گے۔تاکہ وہ

آ کر آپ کے ہاتھ پر مسلمان ہو سکے۔ فقیر کی آنکھوں سے آنسو نکل آئے۔ فقیر نے کہا، بچہ! وہ دن میں آئے یا رات میں آئے، اگر کلمہ پڑھنا چاہتا ہے تو فقیر اس کے لئے ہر وقت کی قربانی دینے کے لئے تیار ہے۔ مجھے خوشی ہوئی کہ وہاں کے بچے آج دین کے نمائندے بن کر زندگی گزار رہے ہیں۔ فقیر کے نزدیک وہاں پر مساجد بنانے سے زیادہ ان سکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں کا قائم کرنا زیادہ ضروری ہے۔ اس لئے کہ نماز تو سکول اور کالج کے کسی بھی کمرے میں پڑھی جاسکتی ہے۔ یہ مسجد کا کبھی بھی رخ نہیں کریں گے۔ اگر انہوں نے وہاں کے مقامی سکولز اور کالجز میں جانا ہے آپ جو کچھ مسجد میں بتائیں گے سکول اور کالج والے اس پر پانی پھیر دیں گے۔ الحمد للہ کہ وہاں کی صورتحال کے مطابق ضرورت پوری ہوگئی ہے۔

ایک زریں اصول:

ایک اصول یاد رکھئے کہ استاد اگر کافر ہوگا تو وہ شاگرد کو قرآن پڑھا کر بھی کافر بنا دے گا اور اگر استاد مسلمان ہوگا تو وہ انجیل پڑھا کر بھی شاگرد کو مسلمان بنا دے گا۔ یہ استاد پر منحصر ہے۔

ایک نوجوان کا قبول اسلام:

فقیر کے ایک دوست میڈیکل ڈاکٹر تھے۔ ان کا ایک بہت ہی ذہین بیٹا تھا۔ جو بہت عبادت گزار تھا۔ اسے ہر سال عمرہ کرنے کا شوق تھا۔ ماں کو بھی عمرہ کے لئے لے جاتا اور دوسرے فیملی ممبرز کو بھی، اکثر اسلام کا مطالعہ کرتا رہتا تھا۔ مگر کچھ عرصہ کے بعد وہ دہریہ بن گیا۔ اس کے والد جب اسے فقیر کے پاس لے کر آئے تو کہنے لگے، جی یہ لڑکا اب بالکل دہریہ ہے، یہ دین اسلام کو تو مانتا ہی نہیں۔

فقیر نے اسے بٹھایا اور اس سے پوچھا، معاملہ کیا بنا؟ اس نے کہا کہ میں آپ کو سیدھی اور صاف بات بتاتا ہوں۔ میرا ٹیچر ایک غیر مسلم تھا۔ اس نے مجھے پہلے تو

یہودیت کی طرف مائل کرنے کی کوشش کی مگر میں مائل نہ ہوا۔ جب اس نے دیکھا کہ یہودی تو بنا نہیں اور بڑا پکا مسلمان ہے۔ اس کے بعد اس نے مجھے ڈارون کی تھیوری پڑھانا شروع کر دی۔ اس نے ڈارون تھیوری کی آڑ میں مجھے ایسا پریشان کر دیا کہ میں دہریہ بن گیا۔

فقیر نے کہا کہ آپ کے ذہن میں جو سوالات ہیں وہ پوچھئے، ہمارے پاس اگلی نماز تک کے لئے تین گھنٹے ہیں۔ اس نے ڈارون تھیوری بیان کرنا شروع کر دی۔ پھر اس کے بعد اس کے بارے میں سوالات پوچھنے شروع کر دیئے۔ الحمدللہ فقیر اس کو جواب دیتا رہا۔ ساتھ ساتھ دعائیں بھی کرتا رہا اور توجہات بھی دیتا رہا۔ تین گھنٹے وقت دیا ہوا تھا مگر اللہ رب العزت نے ایسی مہربانی فرمائی کہ ٹھیک ۵۰ منٹ کے بعد وہ کہنے لگا کہ مجھے کلمہ پڑھا کر دوبارہ مسلمان بنا دیجئے۔

الحمدللہ ثم الحمدللہ، کمرے سے نکل کر اس نے وضو کیا اور باپ کے سامنے کھڑا ہو کر نماز پڑھنے لگا۔ اس کے باپ کی آنکھوں سے جو آنسو رواں ہوئے ان کی کیفیت کو فقیر کبھی نہیں بھول سکتا۔ اس کو تو گویا نیا بیٹا مل گیا، اس کو گھر میں نئی خوشیاں مل گئیں۔ پھر اس کے دل سے جو دعائیں نکل رہی تھیں ان دعاؤں کا کوئی آدمی بھلا کیا تصور پیش کر سکتا ہے۔

تین دلچسپ سوالات:

ایک مرتبہ فقیر نے ایک اسلامک سنٹر میں لڑکوں کا زبانی امتحان لینا تھا۔ وہاں کے سب طلباء گریجوایٹ کلاسز کے سائنس سٹوڈنٹس تھے فقیر ہر طالبعلم سے تین تین سوالات پوچھ رہا تھا۔ ایک طالبعلم کے ساتھ اس کا چھوٹا بھائی بھی آیا ہوا تھا۔ اس کی عمر آٹھ نو سال تھی۔ جب وہ بچہ فقیر کے سامنے آ کر بیٹھا تو فقیر نے دل میں سوچا کہ اس سے کیا سوال پوچھے جائیں۔

ایک میز قریب ہی پڑی ہوئی تھی، فقیر نے کہا،

Ok, please tell me , who made this Table?

آپ مجھے یہ بتائیں کہ یہ میز کس نے بنائی ہے؟ وہ بچہ کہنے لگا

Sir Allah gave man brain and man used that brain and he mad that table

کہ اللہ نے انسان کو دماغ دیا، انسان نے دماغ کو استعمال کیا اور اس نے یہ میز بنا دیا۔ جب اس نے مدلل جواب دیا تو فقیر بھی تھوڑا سا سنبھل گیا۔ اس سے دوسرا سوال پوچھا،

You tell me, why do you read quran do you feel it is maditory or it is interesting.

یعنی آپ قرآن کیوں پڑھتے ہیں؟ کیا آپ سمجھتے ہیں کہ یہ ضروری ہے یا یہ بڑا دلچسپ ہے؟ فقیر اندازہ لگانا چاہتا تھا کہ یہ مارے باندھے قرآن پڑھتا ہے یا اپنے شوق سے پڑھتا ہے۔ جب فقیر نے اس سے یہ پوچھا تو کہنے لگا،

Sir, I feel it is both, it is manditory as well as it is very intresting.

اس نے کہا کہ میں سمجھتا ہوں کہ یہ دونوں چیزیں ہیں۔ یہ ضروری بھی ہے اور دلچسپ بھی بہت زیادہ ہے۔ فقیر توقع نہیں کرتا تھا کہ وہ اتنا اچھا جواب دے گا۔

اب فقیر نے تیسرا سوال پوچھا،

Ok, you tell me,what do you want to be in your life?

کہ تم اپنی زندگی میں کیا بننا چاہتے ہو؟ اس نے کہا،

Sir , I want to be the President of America.

کہ میں امریکہ کا صدر بننا چاہتا ہوں۔

جب اس نے یہ کہا تو فقیر نے اچانک اس سے کہا، ?Why کہ تم امریکہ کے صدر کیوں بننا چاہتے ہوں؟ اس نے کہا،

Sir ,I will be the first Muslim President of America.

کہ میں امریکہ کا پہلا مسلمان صدر بنوں گا۔ سبحان اللہ

فقیر اس کے اس جواب سے بہت زیادہ خوش ہوا۔ اور حیران ہوا کہ اگر آج ان مسلمان بچوں میں اللہ نے یہ جذبہ پیدا کر دیا ہے تو کیا بعید ہے کہ ایک ایسا وقت بھی آئے جب دنیا کی سپر پاور کی کرسی پر ایک مسلمان بیٹھ کر اسلام کے قوانین نافذ کر رہا ہو۔

میرے دوستو! وہاں کے نوجوان امید کی ایک کرن ہیں۔ وہاں پر مسلمانوں کا سنبھلنا اور اپنی تہذیب وتمدن کو محفوظ کر کے اس کے مطابق زندگی گزارنا خوش آئند ہے۔ ہوسکتا ہے کہ یہ لوگ وہاں کے مقامی لوگوں کے لئے دین کی دعوت کا ذریعہ بن جائیں اور اللہ رب العزت وہاں کے مقامی لوگوں کو دین میں داخل ہونے کی توفیق عطا فرمادیں۔

جیلوں میں اسلام کی تبلیغ:

اب وہاں ایک اور تبدیلی آرہی ہے۔ وہ یہ کہ حکومت نے اب جیلوں کے اندر مسلمان علماء کے لئے جا کر تبلیغ کرنے کی اجازت دے دی ہے۔ پہلے اجازت نہیں تھی اب اجازت دے دی گئی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہاں کے مجرم لوگوں کی اصلاح حکومت خود تو نہیں کرسکتی، اس لئے حکومت نے سوچا کہ اگر یہ لوگ مسلمان بن

جائیں تو ان کی زندگی میں تبدیلی آ جائے گی ۔ کیونکہ مسلمان شریف شہری ہوتے ہیں۔ لہٰذا حکومت نے اپنے فائدے کے لئے وہاں پر جیلوں میں اتوار کے دن مسلمان سکالرز کے لئے جانے اور دین کی تبلیغ کرنے کی اجازت دے دی ہے۔ اس طرح سینکڑوں قیدی مسلمان ہو رہے ہیں۔

اسلام کی تاثیر:

امریکہ میں میرے ایک دوست عالم ہیں۔ ہم ان کے گھر کھانا کھا رہے تھے کہ اس نے کہا، میں یہاں کی جیلوں میں اتوار کے دن اسلام کی تبلیغ کرنے کے لئے جاتا ہوں۔ فقیر نے اس سے پوچھا کہ وہاں کے حالات سنائیں؟ کہنے لگا کہ جو بھی مسلمان ہوتا ہے اس کی زندگی میں بڑی تبدیلی آ جاتی ہے۔

وہ کہنے لگا، ان دنوں ایک ملزم جیل میں آیا ہوا ہے۔ اسے ایک سال کی جیل ملی تھی جس میں سے وہ چھ مہینے گزار چکا ہے اور چھ مہینے مزید گزارنے ہیں۔ وہ مسلمان ہوا۔ میں نے اسے نماز سکھائی۔ ایک دن ہم دونوں بیٹھے ہوئے تھے کہ مجھے کہنے لگا، میں آپ پر بہت زیادہ اعتماد کرتا ہوں۔ میں آپ کو بتاؤں کہ اسلام لانے کے بعد میری زندگی بہت زیادہ تبدیل ہوگئی ہے۔ میں نے کہا ہاں وہ تو سب کی ہوتی ہے۔ کہنے لگا، لیکن جتنی میری زندگی تبدیل ہوئی ہے اتنی اور لوگوں کی شاید نہ ہوئی ہو۔ میں نے کہا، وہ کیوں؟ وہ کہنے لگا، اسلام لانے سے پہلے میں بالکل ہی حیوان تھا۔ اور اب میں انسان بن کر زندگی گزار رہا ہوں۔ میں نے کہا، بھئی! تفصیل سے بتاؤ، کیا اشاروں میں بات کر رہے ہو۔ کہنے لگا، ابھی تو میں ایک چھوٹے سے جرم کی وجہ سے جیل میں آیا ہوں، ایک سال کی جیل ملی ہے، چھ مہینے گزر چکے ہیں اور چھ مہینے کے بعد واپس چلا جاؤں گا۔ لیکن آپ کو دل کی بات بتلاتا ہوں کہ اسلام لانے سے پہلے مجھے دوسرے انسانوں کو قتل کرنے میں مزہ آتا تھا۔ جب کسی کو تڑپتے اور اس کے جسم سے

خون کے فوارے چھوٹتے دیکھتا تو میں لطف اندوز ہوا کرتا تھا۔ میں اب تک کئی آدمیوں کو اپنے ہاتھوں سے قتل کر چکا ہوں۔ گویا یہ میرا مشغلہ تھا۔ اسلام قبول کرنے کے بعد میرا دل اتنا بدلا ہے کہ اب میں اگر پیدل چل رہا ہوں اور میرے پاؤں کے نیچے اگر کوئی چیونٹی بھی آ کر مر جائے تو مجھے اس کا بھی افسوس ہوتا ہے۔

الحمدللہ ثم الحمدللہ، یوں زندگیاں بدل رہی ہیں۔ اللہ رب العزت ہمیں اس علاقے سے اسلام کا جھنڈا بلند ہوتے ہوئے دیکھنے کی توفیق نصیب فرمائے۔

سویڈش کے نزدیک محمد عربی ﷺ کا مقام.

آج مغربی ممالک کے لوگ اسلام کو تو پسند کرتے ہیں لیکن جب ہم مسلمانوں کے دوغلے پن کو دیکھتے ہیں تو وہ کہتے ہیں کہ ہم ایسے مسلمان نہیں بننا چاہتے۔ گویا آج کا کمزور مسلمان ان کے راستے کی رکاوٹ بنا ہوا ہے۔

فقیر 1992ء میں سویڈن میں تھا۔ ان دنوں وہاں کی حکومت نے ایک سروے کروایا۔ انہوں نے دس شخصیات کے نام لکھے۔ اس لسٹ میں ڈارون، نیوٹن، آئن سٹائن، حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور محمد عربی ﷺ کے ناموں کے علاوہ بھی نام تھے۔ انہوں نے کہا کہ ہم سروے کرنا چاہتے ہیں کہ سویڈش لوگوں کے نزدیک سب سے اچھی اور محبوب شخصیت کونسی ہے۔ ہمارے سامنے اخبارات میں خبریں آتی تھیں، فقیر خود وہ خبریں پڑھتا تھا۔ جس دن انہوں نے کمپیوٹر رزلٹ نکالے اور سویڈش لوگوں کی رائے بتائی تو فقیر اخبار میں یہ خبر دیکھ کر حیران ہوا کہ 67% لوگوں نے یہ رائے دی کہ ہم محمد عربی ﷺ کو سب سے زیادہ پسند کرتے ہیں۔

ایک عاشق صادق کا واقعہ:

سویڈن ہی کی بات ہے کہ وہاں کے عریانی اور فحاشی کے ماحول میں اللہ تعالیٰ نے ایک آدمی کو مسلمان ہونے کی توفیق عطا فرمائی۔ اس نے ہر کام سنت کے مطابق کرنے کا عزم کر رکھا تھا۔ جب بھی اسے کوئی نیا مسئلہ پیش آتا ہے تو وہ علمائے کرام

سے رابطہ کر کے اس کام کے کرنے کا سنت طریقہ پوچھتا ہے۔ وہاں اس ماحول میں وہ کھدر کا لباس پہنتا ہے اور شلوار کے پائنچے ٹخنوں سے اوپر رکھتا ہے ۔

ایک دفعہ اس نے کوئی ایک تقریب منعقد کروائی۔ اس نے اس تقریب میں فقیر کو بھی دعوت دی ہوئی تھی۔ ان دنوں وہاں پاکستان کے ایک اور عالم بھی رہتے تھے۔ اس نے ان کو بھی دعوت دی ہوئی تھی۔ اس عالم صاحب نے ان سے کہا، بھئی! یہ شلوار تھوڑی سی نیچے تک بھی تو باندھی جا سکتی ہے۔ جیسے ہی اس عاشق صادق نے اس کے یہ الفاظ سنے تو اس وقت اس کو جو غصہ آیا اس کی کیفیت میں ہی جانتا ہوں۔ انہوں نے غصے کے لہجے میں کہا،

You are Muslim by chance, but I am Muslim by choice.

کہ آپ تو اتفاقی طور پر مسلمان کے گھر میں پیدا ہوئے تھے مگر میں نے چن کر اسلام کو قبول کیا ہے۔ گویا جو انسان خود اپنی مرضی سے مسلمان ہوتا ہے اس کے اندر دینی غیرت وحمیت بہت زیادہ ہوتی ہے۔

ایک سویڈش نوجوان کا قبول اسلام:

فقیر ایک مرتبہ لاہور میں تھا۔ وہیں سے مجھے بیرون ملک سفر پر جانا تھا۔ سفر پر روانہ ہونے سے ایک دن پہلے کسی آدمی نے ٹیلیفون پر کہا کہ جی میں آپ سے ملنا چاہتا ہوں۔ فقیر نے کہا کہ مجھے کل بیرون ملک سفر پر جانا ہے اس لئے تیاری کرنے کی مصروفیت ہے۔ اس نے کہا کہ میں بھی بیرون ملک سے آپ سے ملنے آیا ہوں۔ جب اس نے یہ کہا تو فقیر نے کہا، ٹھیک ہے تشریف لائیے۔

تھوڑی دیر کے بعد وہ ایک ٹیکسی میں آیا۔ اس کے گاڑی سے اترنے اور پھر چل کر آنے، ملنے، بیٹھنے اور گفتگو کرنے کے انداز نے فقیر کو ورطہء حیرت میں ڈال دیا۔

وہ اتنا خوبصورت اور خوش اخلاق انسان تھا کہ اس جیسا انسان فقیر نے پہلے نہیں دیکھا تھا۔ جب تعارف ہوا تو اس نے بتایا کہ میں سویڈن کا رہنے والا ہوں۔ میں نے کچھ عرصہ پہلے سوچا کہ میرا بھی کوئی مذہب ہونا چاہئے۔ لہٰذا میں نے دنیا کے ۱۲۰ مذاہب کا مطالعہ کیا۔ ۱۲۰ مذاہب کے مطالعہ کے بعد میں نے فیصلہ کیا کہ اسلام ہی دنیا کا سچا ترین مذہب ہے۔ لہٰذا میں نے اسے قبول کرلیا۔

اس کے بعد میرے دل میں خواہش پیدا ہوئی کہ میں پوری دنیا کے بڑے بڑے سکالرز سے ملوں تا کہ مکمل راہنمائی حاصل کرسکوں۔ لہٰذا اب میں آپ سے بھی ملاقات کا شرف حاصل کرنے کے لئے حاضر ہوا ہوں۔

آسٹریلیا میں ایک لڑکی سے مکالمہ:

فقیر ایک مرتبہ آسٹریلیا (سڈنی) میں تھا۔ ایک عیسائی لڑکی نے وقت مانگا کہ میں آپ سے اسلام کے متعلق کچھ سوالات پوچھنا چاہتی ہوں۔ فقیر نے اسے ایک گھنٹہ دیا۔ وہ پہلے ایک گھنٹہ مجھ سے *Jesis Crist* (حضرت عیسیٰ علیہ السلام) کے اٹھائے جانے اور ان کے واپس آنے کے بارے میں سوال پوچھتی رہی۔ پھر اس نے (قیامت کے دن) کے بارے میں پوچھا۔ پھر *Haven* (جنت) اور *Hell* (دوزخ) کے بارے میں پوچھا۔ حتیٰ کہ اس نے اسلام کے بارے میں بہت زیادہ تفصیلات پوچھیں۔ جب اس کی تسلی ہوگئی تو میں نے پوچھا کہ اب آپ بتائیں کہ کوئی سوال پوچھنا ہے۔ کہنے لگی کہ اب میرے دل میں اسلام کے بارے میں اور کوئی سوال نہیں ہے، میں سمجھتی ہوں کہ اسلام بہت ہی زیادہ خوبصورت مذہب ہے۔ جب اس نے خوبصورت کا لفظ استعمال کیا تو فقیر سمجھا کہ شاید اب یہ اسلام قبول کرلے گی۔ لہٰذا فقیر نے اس سے پوچھا کہ کیا آپ اسلام قبول کرنے کے بارے میں سوچیں گی؟ وہ کہنے لگی کہ آپ مجھے یہ بتائیں کہ یہ سارے کا سارا اسلام قرآن میں

موجود ہے۔ فقیر نے کہا، ہاں، وہی تو بنیادی ماخذ ہے۔ کہنے لگی، کیا آپ کے پاس قرآن ہے؟ فقیر نے کہا ہاں میرے پاس قرآن ہے۔ جب فقیر نے قرآن مجید دکھایا تو وہ کہنے لگی، آپ ایسا کریں کہ اس کے کئی نسخے مسلمان ملکوں میں بھجوائیں اور انہیں کہیں کہ تمہیں اس قرآن کے مطابق اپنی زندگیوں کو تبدیل کرنے کی ضرورت ہے۔

اب بتایئے کہ میں اس کو کیا جواب دیتا۔ میرے دوستو! اگر ہم پکے سچے مسلمان بن جائیں اور اسلام کو ان لوگوں کے سامنے پیش کریں تو عین ممکن ہے کہ وہ اسلام کو قبول کرلیں اور پوری دنیا میں اللہ رب العزت ہمیں اسلام کا جھنڈا بلند کرنے کی توفیق نصیب فرمادے۔ آیئے، اس کو زندگی کا مقصد بنالیجئے۔

ہم اس کی ابتداء اپنی ذات سے کریں۔ آج دل میں عہد کرلیجئے کہ ہم آج کے بعد اپنے جسم پر اسلام کا قانون نافذ کریں گے۔ اگر ہم نے اپنے آپ کو بدلنا شروع کردیا تو اللہ رب العزت ہمارے ان اعمال کی برکت سے دنیا کے دوسرے انسانوں کو بھی بدل دیں گے۔

قوت عشق سے ہر پست کو بالا کر دے
دہر میں اسم محمدؐ سے اجالا کر دے

و اخر دعوانا ان الحمدللہ رب العالمین o